تحریکِ آزادی اور اصلاحِ عوام میں

ادبِ اسلامی کا حصّہ

رابطۂ ادبِ اسلامی کے پانچویں مذاکرۂ علمی منعقدہ حیدر آباد بتاریخ ۷ تا ۹ اکتوبر ۱۹۸۹ء کا خطبۂ صدارت جو اپنے متعدد تاریخی مشتملات اور موضوع سے گہرا ربط رکھنے کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس میں جہاد آزادی کے سلسلہ میں بعض اہم اور نئے پہلوؤں اور تاریخی حقائق و واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بقلم

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

صدر عالمی رابطۂ ادب اسلامی

ناشر

رابطۂ ادب اسلامی

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

طبع اوّل

۱۴۱۰ھ — ۱۹۸۹ء

کتابت ـــــــــ ظہیر احمد کاکوروی
طباعت ـــــــــ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)
صفحات ـــــــــ ۲۴
قیمت ـــــــــ

باہتمام
محمد غیاث الدین ندوی

طابع و ناشر
رابطۂ ادب اسلامی ۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ

ملنے کے پتے
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ
المکتبۃ الندویۃ ۔ دار العلوم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

رابطۂ ادب اسلامی کی انجمن، اسلامی ادب کی تحقیق و ترویج کے نقطۂ نظر سے تقریباً چار سال قبل لکھنؤ میں قائم کی گئی، یہ انجمن بین الاقوامی سطح پر ادبی و علمی دائرہ میں کام انجام دے رہی ہے، اس نے سابقہ مدت میں اہم اور نئے موضوعات پر مجالسِ مذاکرہ منعقد کرنے اور نئے اور مفید پہلوؤں پر رسائل و کتب شائع کرنے کا وقیع کام انجام دیا ہے، اس نے گذشتہ چار سال کی مدت میں اسلامی ادب کی وضاحت میں کئی کتابچے شائع کئے، اور پانچ مجالس مذاکرہ منعقد کیں، ان میں سے ایک مجلس مذاکرہ اسی سال کے وسط میں استنبول (ترکی) میں منعقد ہوئی جس میں ہندوستان اور دیگر ملکوں سے مندوبین شریک ہوئے، ہندوستان کے مختلف بڑے علمی مقامات پر منعقد کئے جانے والی مجالس مذاکرہ میں ایک اہم مجلس مذاکرہ ہندوستان کے مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفیقِ دعوت و جہاد مولانا اسمٰعیل شہید رحمہما اللہ تعالیٰ کی دعوت و جہاد کے لٹریچر پر ندوۃ العلماء لکھنؤ ہی میں دو سال قبل منعقد ہوئی تھی۔

اسی سے ملتے جلتے موضوع پر تحریک آزادی اور اصلاح عوام کے عنوان سے دوسری اہم مجلس مذاکرہ اسی سال اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں حیدرآباد میں منعقد کی گئی، یہ مجلس مذاکرہ زیادہ وسیع دائرہ رکھتی تھی، اور ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کی اہمیت بھی

زیادہ تھی، اس میں پیش کیے جانے والے مقالات کے علاوہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کا خطبۂ صدارت خاص طور پر بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس میں جہادِ آزادی کے سلسلہ میں کئی اہم اور نئے پہلوؤں، اور تاریخی حقائق و واقعات پر روشنی ڈالی گئی جو لوگوں کے ذہنوں سے عام طور پر محو ہوتے جا رہے تھے اور جن کے ظاہر اور نمایاں کرنے کی ہندوستان کے موجودہ حالات میں شدید ضرورت ہے۔

اس خطبہ میں برّ صغیر ہند و پاک کی تحریک آزادی میں علمائے دین کا جو اہم حصہ رہا ہے، اور اس تحریک جد و جہد کا ادیب، اہلِ قلم و شاعر، اہلِ دین اور علمائے اسلام سے جو خصوصی تعلق رہا ہے، اس کو نمایاں کیا گیا ہے، آزادی کی اہمیت اور غیر ملکی اقتدار سے نجات کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس کے لئے جو قربانیاں دی گئیں، اور جس عظیم جد و جہد کے بعد آزادی حاصل کی گئی اور جن حضرات نے اس کے لئے اپنا تن من دھن قربان کیا، اس کی قدر اور یاد آزادی سے فائدہ اٹھانے والوں کے دلوں میں باقی رہنی چاہئے، اس کے لئے مولانا مدظلہ کا یہ خطبہ نہ صرف ایک مجلس مذاکرہ کے جزء کی حیثیت سے مفید ہے، بلکہ یہ ایک مستقل حیثیت کا بھی حامل ہے، اسی امر کے پیش نظر اس کو ہم ایک علیحدہ کتابچہ کی صورت میں شائع کر رہے ہیں، امید ہے کہ اس طرح اس کا فائدہ وسیع اور عام ہو سکے گا، اور ملک و ملت کی ایک اہم ضرورت پوری ہوگی۔ وباللہ التوفیق

محمد رابع ندوی

ناظم عالمی رابطۂ ادب اسلامی

۱۴؍ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
۱۶؍ اکتوبر ۱۹۸۹ء

تحریکِ آزادی اور اصلاحِ عوام میں ادبِ اسلامی کا حصّہ

الحمد للہ والصّلاۃ والسّلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حضرات! اس مذاکرۂ علمی کا موضوع بہت وسیع ہے، اور اس پر فاضلانہ مقالات پڑھے جائیں گے، میں اپنی آج کی گفتگو اور معروضات کو تحریکِ آزادی کے ان قائدین اور علمبرداروں کی مساعی اور ان کے نتائج کے حصّہ تک محدود رکھوں گا جو دینی دعوت اور بامقصد اور حیات بخش ادبِ اسلامی کے ممتاز ترین حامل اور صحیح نمائندہ تھے۔

کسی ملک کی آزادی کی تحریک (اور جنگ آزادی تو اس کے نتیجہ میں بعد کی چیز ہے) مذہب و اخلاق، اعلیٰ انسانی قدروں، بعض اوقات طاقتور دینی حمیّت، خطر پسندی و مُہم جوئی کی صلاحیت اور جذبۂ قربانی کے بغیر وجود میں نہیں آتی، اور اس کی صلاحیت ایک صحیح اور پختہ عقیدہ پر ایمان، اور مادّی

منافع اور عہدہ و اعزاز سے صرفِ نظر کئے بغیر نہیں پیدا ہوتی، اسی طرح اُس کے لئے حالات کا گہرا مطالعہ، تبدیلیوں کا مُبصّرانہ اور دور رس جائزہ، اور اس طویل المیعاد اور بعید الوقوع نتائج کا اندازہ کیا جانا بھی ضروری ہے، ان باطنی محرّکات و عوامل، ان دینی و اخلاقی سرچشموں اور ان اندرونی کیفیات و جذبات، پھر اس دوربیں نگاہ اور حقیقت شناس اور وسیع جائزہ، اور اس کے نتیجہ میں شدید احساسِ کرب کے بغیر نہ سچی تحریک آزادی پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہے اور نہ اس کے نتیجہ میں وسیع اور دیرپا جنگ آزادی لڑی جاسکتی ہے، اور نہ اس سلسلہ میں قربانیاں دی جاسکتی ہیں۔

اس کا نتیجہ ہے کہ تیرھویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہم جب ہندوستان کے اس قومی لٹریچر پر نظر ڈالتے ہیں جو فارسی، اُردو اور ہندی میں دستیاب ہے، تو ہم کو اس عہد کے ایک عظیم عالم اور مُصلح کے فکر و کردار پر حیرت ہوتی ہے، جس کے مطالعہ اور تحقیق و تشریح کا میدان صرف دینیات (تفسیر و حدیث و فقہ) اور کسی حد تک عربی، فارسی کے ادبیات کے اندر محدود نظر آتا ہے، نہ اِس زمانہ کے عُرف کے مطابق وہ کوئی سیاسی قائد و لیڈر تھا، نہ عوامی جدوجہد کے میدان کا کوئی تجربہ کار و حوصلہ مند مجاہد، میری مراد ہندوستان کے شہرۂ آفاق عالم، استاد العلماء اور محقّقِ عصر حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ (۱۱۵۹-۱۲۳۹ھ = ۱۷۴۶-۱۸۲۳ء)

کی ذات ہے، ان کے ایک عربی شعر میں ہم کو وہ سیاسی بصیرت، برِّ صغیر ہند سے لے کر افغانستان تک کے حالات میں اس انقلاب کے آثار اور فرنگی حملہ آوروں کے خطرناک منصوبوں سے واقفیت کی جھلک، بلکہ ایک عمیق و معنی خیز پیشین گوئی کی مثال ملتی ہے، جس کو ان کی دور بینی، حقیقت شناسی اور اخلاقی، معاشرتی سیاسی و اقتصادی، دور رس تبدیلیوں کی پیش بینی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جس کی مثال ان کے عہد کے بلکہ اس سے بہت بعد تک کے عہد کے کسی سیاسی مُبصِّر اور مؤرّخ کے یہاں نہیں ملتی، انھوں نے اپنے اس عربی شعر میں اس خطرہ کی نشان دہی کر دی ہے بلکہ اس خطرناک انقلاب کی طرف کھلے طریقہ پر انگشت نمائی کی ہے جو جنوبی ایشیا کے اس وسیع خطّہ پر جو عظیم آزاد سلطنتوں کا مالک تھا منڈلا رہا تھا، بلکہ عملاً اس سرزمین پر اس کی بساطِ شطرنج بچھا دی گئی تھی، وہ فرماتے ہیں :-

وانی أری الأفرنج اصحاب ثروۃٍ

لقد أفسدوا مابین دھلی وکابل

"میں وسائل اور سرمایہ کے مالک فرنگیوں کو دیکھتا ہوں کہ انھوں نے دہلی اور کابل کے درمیان فسادِ عام کے بیج بو دیے ہیں، اور اس آزاد سرزمین کو سیاسی غلامی، اقتصادی بدحالی اور خانہ جنگی کے لئے تیار کر دیا ہے۔"

اسی طرح ان کے خلیفہ و تربیت یافتہ ہندوستان کے شہرۂ آفاق مُصلح و مجاہد حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ (۱۲۰۱-۱۲۴۶ھ - ۱۷۸۶-۱۸۳۱ء) کے ان خطوط و مکتوبات میں جو انھوں نے ہندوستان کے بعض ہندو والیانِ ریاست اور ہمسایہ ملکوں کے مسلمان والیانِ سلطنت کو لکھے ہیں، تو وارد اور قسمت آزما انگریزوں کے بارے میں وہ الفاظ ملتے ہیں جو کم سے کم انیسویں صدی عیسوی میں، بلکہ ۱۸۵۷ء اور اس کے کچھ بعد تک بڑے بڑے سیاسی بصیرت رکھنے والوں اور جنگِ آزادی کے علمبرداروں کی تحریروں اور تقریروں میں بھی نظر نہیں آتے، اور اس سے ان کی اُس حیرت انگیز نبّاضی، دیدہ وری، اور صاف گوئی کا نمونہ سامنے آتا ہے جو اُن کے عہد، اس زمانہ کی ثقافت اور ان کے خالص دینی ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے بہت قبل از وقت اور ایک طرح سے "الہامی" معلوم ہوتا ہے۔

سید احمد شہیدؒ راجہ ہندو راؤ، وزیر گوالیار کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

بر رائے سامی روشن و مُبرہن	جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی
است کہ بیگانگانِ بعید الوطن	سمندر پار کے رہنے والے، دنیا جہان
ملوک زمین و زمن گردیدہ ،	کے تاجدار اور یہ سود بیچنے والے
و تاجرانِ متاع فروش بپایۂ	سلطنت کے مالک بن گئے ہیں،
سلطنت رسیدہ، امارتِ امرائے	بڑے بڑے اہلِ حکومت کی

فارسی	اردو
کبار و ریاست رؤسائے عالی	حکومت اور ان کی عزت
مقدار برباد نمودہ اند و عزت	و حرمت کو انھوں نے خاک
و اعتبار ایشاں بالکل ربودہ۔	میں ملا دیا۔

ایک ہندوستانی ریاست کے فوجی افسر اعلیٰ غلام حیدر خاں کے نام لکھتے ہیں۔

فارسی	اردو
اکثر بلادِ ہندوستان بدست	ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں
بیگانگان افتادہ، و ایشاں	کے قبضہ میں چلا گیا ہے، اور انھوں
ہر جا بنیادِ آئین جور و ظلم نہادہ،	نے ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھی
ریاست رؤسائے ہندوستان	ہے، ہندوستان کے حاکموں کی
برباد رفتہ، کسے تاب مقاومتِ	حکومت برباد ہو گئی، کسی کو ان کے
ایشاں نمی دارد، بلکہ ہر کس ایشاں	مقابلہ کی تاب نہیں، بلکہ ہر ایک ان کو
را آقائے خود می شمارد، و چوں	اپنا آقا سمجھنے لگا ہے، چونکہ بڑے بڑے
رؤسائے کبار از مقابلہ ایشاں	اہلِ حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال
نشستند، لاچار چند کس از	ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں، اس لئے چند کمزور
ضعفائے بے مقدار کمر بستند۔[1]	و بے حقیقت اشخاص نے اس کا بیڑہ اٹھایا ہے

---

[1] ماخوذ از مکتوبات قلمی محفوظہ کتب خانہ ٹونک (سیرت سید احمد شہیدؒ از راقم حصہ اول ص ۴۰۳-۴۰۴) بیرونی مسلمان والیانِ سلطنت کے نام کے خطوط کے نمونے مجموعۂ مکاتیب حضرت سید احمد شہیدؒ قلمی و مطبوعہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

حیدرآباد میں اس مجلسِ مذاکرہ (سیمنار) کے پہلی مرتبہ منعقد ہونے کی مناسبت اور اہلِ حیدرآباد کی قدر دانی اور حسنِ ضیافت کی رعایت سے، ہم ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے سورماؤں اور رفاقائدین کے تذکرہ میں (جن کی تعداد بہت بڑی ہے اور جن کا تذکرہ اگلی سطروں میں آنے والا ہے) سب سے پہلے میر گوہر علی خاں نواب مبارز الدولہ بہادر کے ذکرِ خیر سے ابتدا کرتے ہیں جو نواب سکندر جاہ بہادر آصف جاہ ثالث کے چھوٹے فرزند اور ناصر الدولہ بہادر کے بھائی تھے، موصوف ۱۸۰۰ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے، وہ فارسی و عربی میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے، اُن کی مذہبی تعلیم بھی مستند طور پر ہوئی تھی، انگریز دشمنی کا جذبہ انھیں اپنے باپ نواب سکندر جاہ بہادر آصف جاہ ثالث سے ورثہ میں ملا تھا، اس نے کم عمری ہی میں جارحانہ صورت اختیار کر لی، اور انگریز ریزیڈنٹ BRITISH RESIDENT سے ایک مقابلہ و تصادم کے نتیجہ میں اُن کو پانچ سال کے لئے قلعہ گولکنڈہ میں نظر بند کر دیا گیا۔

ہم یہاں پر ایک فاضل حیدرآبادی مضمون نگار محمد محسن جواد صاحب کے مقالہ شائع شدہ "نیا دور" یوم آزادی نمبر (اگست ۱۹۸۹ء) کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ نواب مبارز الدولہ بہادر کے اس مجاہدانہ کردار کی مستند تاریخی تفصیل کتاب "حیدرآباد کی تاریخِ جدوجہد آزادی" (HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT IN HYDERABAD) شائع کردہ حیدرآباد اسٹیٹ کمیٹی

۱۹۵۶ء سے معلوم ہو سکتی ہے جس کے ساٹھ صفحات نواب مبارز الدولہ بہادر سے مخصوص کئے گئے ہیں۔

فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں :-

"گولکنڈہ میں قید کے دوران نواب مبارز الدولہ کے روابط سید احمد شہیدؒ کے نمائندوں سے (جو دکن بھیجے گئے تھے) قائم ہو گئے تھے، اس کے علاوہ خود سید احمد شہیدؒ نے بھی سکندر جاہ آصف جاہ ثالث سے خط و کتابت کی تھی، کرنل میڈوز ٹیلر نے اپنی کتاب 'THE HISTORY OF MY LIFE' میں سید احمد بریلویؒ کے ایک خط کا خلاصہ پیش کیا ہے، جس میں سید احمد بریلویؒ نے ہندوستان سے انگریزی اقتدار کے خاتمہ کی جدوجہد میں انھیں آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی، اس خط میں انھوں نے آصف جاہ ثالث کو اُن کی خاندانی روایات کو یاد دلاتے ہوئے زور دیا تھا کہ وہ ملک سے بے دین لوگوں کے اقتدار کے خاتمہ میں ان کی مدد کریں۔"

"۱۸۳۱ء میں سید احمد بریلویؒ شہید ہوئے، لیکن تحریکِ شہیدین کا زور نہیں ٹوٹا، بلکہ اس کے بعد کے واقعات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اُن کے پیروؤں نے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا، اور اپنا مرکز شمال سے جنوب منتقل کر دیا، ۱۸۳۶ء میں مولوی

ولایت علی اور مولوی سلیم الدین (جو تحریک کے سرکردہ قائدین میں سے تھے) حیدرآباد آئے، مبارز الدولہ کے گھر میں مقیم رہے اور انھوں نے دیگر ساتھیوں کو مبارز الدولہ کا مخبر اور قاصد بنا کر انھیں مدراس بنگلور، کرنول، جودھ پور، بمبئی، بھوپال، لاہور، سندھ اور دوسرے شہروں اور ریاستوں کو روانہ کیا، چنانچہ ان علاقوں میں تحریک کے حق میں زوردار سرگرمیاں شروع ہوگئیں، مختلف مقامات میں بھیجے گئے قاصد فقیروں کے بھیس میں پیامات اور خبریں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچاتے اور عوام میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا پرچار کیا کرتے تھے، ان ہی کے ذریعہ نواب مبارز الدولہ مختلف ریاستوں کے حکمرانوں سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے، اور منظم طریقوں سے بغاوت کے منصوبہ کو آگے بڑھا رہے تھے۔[1]

نواب مبارز الدولہ کے ذکر کے ساتھ ہمارا ذہن قدرۃً سلطان شہید ٹیپو (شہید ۱۲۱۴ھ — ۱۷۹۹ء) کی طرف منتقل ہوتا ہے، جن کا دور اور کارنامہ ہندوستان کے تمام مجاہدینِ آزادی اور بالغ نظر دوربین قائدینِ آزادی سے پہلے شروع ہوتا ہے، اور جن کا برطانوی اقتدار کے امکانات وخطرات کو برسوں پہلے محسوس کر لینے اور اس سے نفرت کرنے میں کوئی مدِ مقابل وہمسر

---

[1] "نیا دور" لکھنؤ، شمارہ یوم آزادی نمبر، جلد ۴۰، شمارہ ۵ ص ۱۲-۱۳

نظر نہیں آتا، اور جو اقبالؒ کے الفاظ میں:

ترکش مارا خدنگ آخریں

کا مصداق تھے، جنھوں نے "گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر شیر کی ایک دن کی زندگی" کو ترجیح دی، اور جن کی نعش کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جنرل ہیرس (GENERAL HARRIS) کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ "آج ہندوستان ہمارا ہے"۔[1]

بعض تاریخوں اور خاندانی دستاویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہید کے خاندان کا سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے روحانی ارتباط رہا ہے، اس مرد مومن اور اس فقیر غیور اور امیر جسور کے جسم و جاں میں (جس نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوستان کی آبرو رکھ لی) خاندانِ ولی اللّٰہی اور جماعتِ مجاہدین اور سید احمد شہیدؒ کے بزرگوں (سید شاہ ابو سعیدؒ اور سید شاہ ابو اللیثؒ) کے روحانی اثرات اور اُن کی آرزوؤں اور تمناؤں کی روح کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔[2]

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد پنجم ص ۳۴۱

[2] سید شاہ ابو سعید، سید صاحب کے حقیقی نانا اور سید شاہ ابو اللیث آپ کے حقیقی ماموں تھے، ٹیپو سلطان کے پسماندگان نے جو کلکتہ میں مقیم تھے سید صاحب کے سفر حج کے موقع پر جو ۱۲۳۶ھ تا ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۰ء تا ۱۸۲۱ء) میں پیش آیا، اسی نسبت و تعلق کا

(باقی ص ۱۴ پر)

باوجود اس کے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی صحیح معنی میں عوامی اور قومی تھی، اور ہندو مسلمان سب اس میں شریک تھے، اور ہندوستان نے وطن دوستی، اتحاد اور گرم جوشی اور ولولہ کا ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا جیسا کہ اس وقت دیکھنے میں آیا، پھر بھی قیادت و رہنمائی کے میدان میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا، چنانچہ اکثر قائد مسلمان ہی تھے، ہنٹر (W. W. HUNTER) کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے "غدر" میں سید صاحب کی تحریک جہاد کی بچی کھچی چنگاریاں کام کر رہی تھیں، وہ لکھتا ہے کہ :۔

"انھوں نے ہندوستان میں ایک ایسا مذہبی انقلاب برپا کر دیا، جس کی مثال اس کی گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی، یہی انقلاب ہے جس نے پچاس سال سے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی روح کو دبنے نہیں دیا۔"[1]

اس تحریک کی فکری اور علمی قیادت میں عظیم اللہ خاں، جنرل بخت خاں،

(باقی ص ۱۳ کا) حوالہ دے کر کلکتہ میں اپنی قیام گاہ پر دعوت دی اور نظر بند شہزادوں، اور شہزادیوں نے بیعت وارادت کا تعلق قائم کیا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہیدؒ" از راقم حصہ اول ص ۳۳۶-۳۳۷

[1] THE INDIAN MUSALMANS "ہمارے ہندوستانی مسلمان" از ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، مترجمہ ڈاکٹر صادق حسین، مطبوعہ اقبال اکیڈمی، لاہور۔

خان بہادر خاں، مولانا شاہ احمد اللہ، مولانا لیاقت علی الہ آبادی اور حضرت محل پیش پیش تھے، ان میں مولانا احمد اللہ شاہ فیض آبادی کی شخصیت بڑی ممتاز تھی۔ ہومز لکھتا ہے:

"مولوی احمد شاہ شمالی ہند میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔"

پنڈت سندر لال لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ دنیا کی آزادی کے شہیدوں میں ۱۸۵۷ء کے مولوی احمد اللہ شاہ کا نام ہمیشہ کے لئے قابلِ احترام رہے گا۔"[1]

میلی سن لکھتا ہے:

"مولوی احمد اللہ ایک بڑا ہی حیرت انگیز انسان تھا، غدر کے دنوں میں سپہ سالار کی حیثیت سے اس کی قابلیت کے بہت سے ثبوت ملے، کوئی بھی دوسرا آدمی فخر کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نے دو بار سر کالن کیمپ بل کو میدان میں شکست دی۔"[2]

نیز وہ لکھتا ہے:

"احمد اللہ شاہ سچا محبِ وطن تھا، اس نے کسی نہتے کا خون بہا کر اپنی تلوار کو ناپاک نہیں کیا، بہادری کے ساتھ ڈٹ کر

---

[1] سنہ ستاون ص ۲۰

[2] HISTORY OF INDIAN MUTINY, VOL. IV, PAGE 379

کھلے میدان میں ان بدیسیوں کے ساتھ جنگ کی جنھوں نے اس کے وطن کو چھین لیا تھا، ہر ملک کے بہادر اور سچے لوگوں کو چاہیئے کہ مولوی احمد شاہ کو عزّت کے ساتھ یاد رکھیں"[1]

یہ ایک قتل عام تھا، لیکن مسلمان خاص طور سے اس کا نشانہ تھے اس لیے کہ بہت سے ذمہ دار انگریز یہ کہتے تھے کہ یہ اسلامی جہاد تھا، اور مسلمان اس بغاوت کے بانی، قائد اور رہنما ہیں، ایک انگریز مصنّف ہنری میڈ (HENRY MEAD) کہتا ہے:

"اس سرکشی کو موجودہ مرحلہ میں سپاہیوں کی بغاوت کا نام نہیں دیا جا سکتا، یقیناً اس کا آغاز سپاہیوں سے ہوا لیکن بہت جلد اس کی حقیقت آشکارا ہو گئی یعنی یہ اسلامی بغاوت تھی"[2]

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

"ایک انگریز کا شیوہ یہ ہو گیا تھا کہ ہر مسلمان کو باغی سمجھتا تھا، ہر ایک سے پوچھتا، ہندو ہے یا مسلمان؟ جواب میں مسلمان سُنتے ہی گولی مار دیتا"[3]

---

[1] HISTORY OF INDIAN MUTINY, VOL. IV, PAGE 381

[2] ماخوذ از ۱۸۵۷ء (غلام رسول مہر)

[3] عروج سلطنت انگلشیہ، از منشی ذکاء اللہ ص ۱۲۷

پھر پھانسی کا سلسلہ شروع ہوا، عام شاہراہوں اور سڑکوں پر پھانسی کے تختے لگا دیے گئے، اور یہ جگہیں انگریزوں کی تفریح اور دلچسپی کا مرکز بن گئیں، جہاں آ کر وہ پھانسی پانے والوں کے سسکنے اور دم توڑنے کے وقت کا لطف لیتے، سگریٹ کا کش لگاتے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے، جب پھانسی کا کام پورا ہو جاتا اور وہ مظلوم شخص آخری سانس لیتا تو ہنسی اور مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتے، ان بدنصیبوں میں بڑے بڑے ذی وجاہت اور اشراف تھے، بعض مسلم محلے اس طرح تہ تیغ کر دیے گئے کہ ایک فرد بھی باقی نہ بچا۔ ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

"ستائیس ہزار (۲۷۰۰۰) اہلِ اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتلِ عام رہا، اس کا حساب نہیں، اپنے نزدیک گویا نسل تیموریہ کو نہ رکھا، مٹا دیا، بچوں تک کو مار ڈالا، عورتوں سے جو سلوک کیا بیان سے باہر ہے، جس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے۔"[۱]

میلی سن لکھتا ہے:

"ہمارے فوجی افسر ہر قسم کے مجرموں کو مارتے پھرتے تھے، اور کسی درد و تأسف کے بغیر انھیں پھانسیاں دے رہے تھے، گویا وہ کتے تھے یا گیدڑ، یا نہایت ادنیٰ قسم کے کیڑے مکوڑے۔"[۲]

۱؎ قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۵۴ (از سید کمال الدین حیدر) ۲؎ میلی سن جلد دوم ص ۱۰ (ماخوذ از ۱۸۵۷ء)

فیلڈ مارشل لارڈ رابرٹس نے ۲۱ جون ۱۸۵۷ء کو اپنی والدہ کو لکھا:

"سزائے موت کی سب سے زیادہ مؤثر صورت یہ ہے کہ مجرم کو توپ سے اُڑا دیا جائے ــــ یہ بڑا ہی خوفناک نظارہ ہوتا ہے لیکن موجودہ وقت میں ہم احتیاط پر کاربند نہیں ہو سکتے، ہمارا مقصد ان بدمعاش مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ خدا کی مدد سے انگریز اب بھی ہندوستان کے مالک رہیں گے۔"[1]

ایک عجیب و غریب جذباتی طریقہ سے جس کی انگریز جیسی دستوری اور جمہوری قوم سے توقع نہیں تھی،[2] ۱۸۶۵ء میں مولانا یحییٰ علی، مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولوی عبدالرحیم صادق پوری، اور مولوی محمد جعفر تھانیسری کو جو سب جماعتِ مجاہدین سے تعلق رکھتے تھے، انڈمان روانہ کر دیا گیا، مولانا یحییٰ علی اور مولانا احمد اللہ کا انڈمان میں انتقال ہو گیا، اور مولوی محمد جعفر اٹھارہ سال کی قید با مشقت اور جلا وطنی کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے، پٹنہ میں

---

[1] EDWARD THOMSON "THE OTHER SIDE OF THE MEDAL" 1926 P. 40

[2] وہ یہ کہ یہ حضرات پھانسی دیے جانے کے فیصلہ سے جو شہادت کی مرادف تھی اس درجہ خوش ہوئے اور ان کے چہروں پر ایسی بشاشت و مسرت ظاہر ہوئی کہ انتظامیہ نے ان کی سزائے موت کو حبس دوام بعبور دریائے شور سے یہ کہہ کر تبدیل کر دیا کہ "ہم تمہاری خوشی اور آرزو پوری نہ ہونے دیں گے۔" (ملاحظہ ہو تواریخ عجیب (کالا پانی) از مولوی محمد جعفر تھانیسری ص ۱۰۶-۱۰۷ مطبوعہ سلمان اکیڈمی۔ کراچی)

اہلِ صادق پور کی تمام جائدادیں ضبط کرلی گئیں، ان کی عمارتیں گرادی گئیں، اور ان پر ہل چلوادیا گیا، اور اس زمین پر نئی سرکاری عمارتیں قائم کی گئیں، ان کے مقبروں کو تباہ و برباد کردیا گیا، یہ سب انتقامی جذبہ کے ماتحت اور دل ٹھنڈا کرنے کے لئے کیا گیا۔

اسی طرح ہندوستان کے ممتاز اور جلیل القدر علماء کی خاصی تعداد کو انڈمان میں جلاوطنی کی سزا دی گئی، جن میں مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم دریابادی کے نام قابلِ ذکر ہیں، مولانا فضل حق خیرآبادی تو وہیں انتقال کرگئے، اور بقیہ دو عالم عرصہ کے بعد وطن واپس ہوئے۔

سنہ ۱۹۱۲ء میں بلقان کی جنگ چھڑی اور یورپین حکومتوں بالخصوص برطانیہ کے خلاف (جو اس وقت ان کا لیڈر تھا) رائے عامہ میں غم و غصہ کی ایک شدید لہر دوڑ گئی اور مشرق کے اسلامی سیاسی شعور کا لاوا جو آہستہ آہستہ پک رہا تھا پھوٹ پڑا، اسی زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے "الہلال" نکالا، جس میں سخت آتشیں مضامین شائع ہوتے، اور یورپ کی مسلم دشمن سیاست پر بڑی فصاحت و قوت کے ساتھ بھرپور تنقید کی جاتی، ہزاروں لاکھوں مسلمان ذوق و شوق کے ساتھ اس کو پڑھتے تھے، مولانا محمد علی جوہر نے کلکتہ سے کامریڈ (COMRADE) نکالا جو بعد میں دہلی منتقل ہوگیا، وہ انگریزی سیاست پر

لطیف اور طنز آمیز اسلوب میں تنقید کرتا تھا، اسی طرح مولانا ظفر علی خاں کا اخبار "زمیندار" اور دوسرے اسلامی اخبارات اور رسالے منظرِ عام پہ آئے اور ان کے ذریعہ سے پورے ہندوستان میں ایک فکری بغاوت یا انقلاب کی آگ پھیل گئی جس کے نتیجہ میں حکومتِ ہند نے مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی کو گرفتار کرلیا۔

اسی دور میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کو انکے تلامذہ و رفقا کے ایک گروہ کے ساتھ جس میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، برطانوی حکومت نے حجاز سے نکال کر جزیرہ مالٹا میں اسیر و نظر بند کر دیا جہاں تین سال دو مہینے رہنے کے بعد ہندوستان آئے، رہائی کے بعد ان علمائے کرام نے جنگ آزادی اور سیاسی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جن میں مولانا مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے قید و بند کی مصیبتیں اٹھائیں، انکا مقاطعہ بھی ہوا لیکن وہ پوری مستقل مزاجی سے اپنا کام کرتے رہے، جنگ آزادی کے قائدین میں مذکورہ الصدر حضرات کے علاوہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری کے نام بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور ان میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں علامہ شبلی نعمانی مرحوم کے حصہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے "الہلال" کی نظموں، اور "مسلم گزٹ" کے مضامین کے ذریعہ برطانیہ کی وفاداری کی پالیسی اور مسلمانوں کی کمزور سیاست پر سخت تنقید کی،

اور تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن کو متاثر کیا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی اور غیر ملکی اقتدار سے (جو دین ومذہب اخلاق واقدار، تمدن ومعاشرت، اقتصادیات ہندوستان کی خوش حالی اور صنعتی خود کفالتی کے لئے کھلا خطرہ تھا) نجات حاصل کرنے کی تحریک و جدّوجہد میں علمائے دین، سرفروش مجاہدین اور صاحبِ حمیت وغیرت مسلمانوں کا جو قائدانہ اور سرفروشانہ حصہ تھا اس کی کسی قدر تفصیل سطور بالا میں آچکی، ادب وشاعری کے ذریعہ ان کے ادیبوں اور شاعروں نے جس جرأت مندانہ طریقہ پر اس تحریک وجدّوجہد میں تپش وسوزش پیدا کی، اس کا مفصّل تاریخی جائزہ لینے کے لئے ایک جفاکش ودیدہ ور مؤرخ و ادیب کا قلم درکار ہے، "الہلال" "کامریڈ" اور "زمیندار" کے آتشیں مقالات اور ولولہ انگیز نظموں اور تبصروں سے بہت پہلے جماعت مجاہدین کے ادیبوں اور شاعروں نے یہ کام شروع کر دیا تھا، اس نازک دَور میں جب ایک تیز لفظ پر پھانسی دی جا سکتی تھی، حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت کے ایک فرد سید محمد امین صاحب امروہی (م ۱۲۸۵ھ۔۱۸۶۸ء) کا یہ شعر بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور وہ ان حالات میں ایک جرأتِ قلندرانہ بلکہ اقدام سرفروشانہ سے کم نہیں، انگریز حوصلہ مندوں کے بارے میں جو ہندوستان پر تسلّط حاصل کرتے جا رہے تھے، وہ ایک قصیدہ میں کہتے ہیں ؎

بہ نیروئے اسلامیاں زوردہ
کہ شد از سگاں شہرہا کوردہ

"مسلمانوں کے ہتھیاروں میں زور دے اس لئے کہ (مہذّب وترقی یافتہ) شہر ان فرنگی کتّوں کی وجہ سے گھٹیا دیہات اور "کوردہ" مقامات بن گئے ہیں"!

اپنے فرزند کے لئے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

مجاہد چنانش کن اندر غزا
کز و تا رسد بہ نصاری سزا

"اس کو ایسا مجاہد وغازی بنا کہ اس سے ان فرنگی عیسائیوں کو کچھ سبق ملے"!

ادبی رزمیہ کا یہ سلسلہ اردو کے نامور وصاحب اسلوب شاعر حکیم مومن خاں مومنؔ کے قصیدۂ جہادیہ اور مولانا خرّم علی بلّہوری کی مثنوی جہادیہ سے شروع ہو کر بیسویں صدی عیسوی کی ان ولولہ انگیز مجاہدانہ نظموں اور شاہناموں پر مشتمل نظر آئے گا، جنھوں نے عرصہ تک تعلیم یافتہ حلقوں، شرفاء کے خاندانوں یہاں تک کہ مستورات میں شہادت فی سبیل اللہ کی قدر اور جہاد وسر فروشی کی ایسی عظمت واہمیت پیدا کر دی کہ وہ اپنے ننھے ہائے جگر فرزندوں، پوتوں اور نواسوں کو اس شعر کی لوری سنا سنا کر

سلانی تھئیں ہے

الٰہی! مجھے بھی شہادت نصیب
یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

ان رزمیہ شعری مجموعوں اور شاہناموں میں خاندان حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک پُرفکر و قادرالکلام شاعر منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی (متوفی ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء) کی "صمصام الاسلام" منظوم "فتوح الشام" (واقدی) خاص طور پر قابل ذکر ہے[1]، جو پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) اشعار پر مشتمل ہے، اور جو راقم السطور کے بچپن تک یوپی، دہلی، دوآبہ اور راجپوتانہ کے دیندار خاندانوں کی مجلسوں اور تقریبوں میں پڑھی جاتی تھی، اور اس سے سننے والی مسلمان خواتین اور اپنی ضرورتوں سے آنے والے ان کے خورد سال فرزندوں میں حرارتِ ایمانی و جوشِ اسلامی موجیں مارنے لگتا تھا[2]۔

حضرات! آخر میں یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ ابھی ان لوگوں کا جنھوں نے جنگِ آزادی میں قائدانہ و مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا، کام ختم نہیں ہوا، اب ان کو اِس آزاد و خودمختار ملک میں مُصلحانہ و مُفکّرانہ کردار ادا کرنا ہے؛

---

[1] یہ کتاب مطبع نولکشور، لکھنؤ اور اس کے مکتبہ کی طرف سے شائع ہوئی۔

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون "میری محسن کتابیں" مندرجہ کتاب "مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں" شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی ص ۱۶۰-۱۶۱

پہلے اس ملک کی زمین کو آزاد کرانے کا مرحلہ تھا، اب اہلِ ملک کے ضمیر کو آزاد کرانے کا مسئلہ ہے جو اس سے کسی طرح کم اہم اور ضروری نہیں، غیر ملکی اقتدار خواہ کسی قدر طویل و مستحکم ہو ایک غیر فطری اور عارضی صورت حال تھی، جس کو دیر سویر ختم ہونا تھا، لیکن اہلِ ملک کی اپنے آپس میں ہوسِ اقتدار، ایک دوسرے کا ناجائز استحصال، دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، اخلاق و اقدار و اصول سے بے نیازی اور حد سے بڑھا ہوا نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصب و منافرت اور تنگ نظری، غیر ملکی اقتدار اور دورِ غلامی سے کم شرمناک اور خطرناک نہیں، جن کے پاس اب بھی دینی رہنمائی، آسمانی تعلیمات، نبیؐ و متبعینِ نبیؐ کا اُسوہ، حیات آفریں تاریخ اور نثر و نظم کی شکل میں ولولہ انگیز و رہنما ادب موجود ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ اس ملک کو ان امراض و خطرات سے بچانے کے لئے جان کی بازی لگا دیں۔

اقبالؔ کے ان اشعار پر اپنے اس معروضہ کو ختم کرتا ہوں ؎

بینی جہاں را خود را نہ بینی — تا چند غافل غافل نشینی

نورِ قدیمی شب را بافروز — دستِ کلیمی در آستینی

بیروں قدم نہ از دورِ آفاق — تو بیشتر از ینی تو بیشتر ازینی